مظہر اقبال*

عطاء الحق قاسمی بہ حیثیت ڈراما نگار

Abstract: *Legendary humourist Ata ul Qasmi is not only a columnist, a travel writer, a sketch writer but also a drama writer .He is among those great drama writers who wrote plays during the golden era of drama in annals of history of Pakistan Television .His plays have attained the status of Classics .The essay in focus is about his excellence as a playwright and it critically examines his contribution in this genre.*

ڈراما ادب اور فنونِ لطیفہ میں یکساں اہمیت کی حامل ایسی صنف ہے جس میں انسانی جذبات و احساسات اور معاملاتِ حیات سے جڑی کسی کہانی کو مختلف کرداروں کی حرکات و کلمات کے ذریعے سٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''ڈراما کی اصل یونانی لفظ ڈراؤ ہے جس کا مطلب کر کے دکھانا، گویا اس لفظ میں ہی اس صنف کی اساسی خصوصیت آجاتی ہے کہ بقیہ اصنافِ ادب کے برعکس اسے عملی صورت میں سامعین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔''(۱)

نواب واجد علی شاہ نے ۱۸۴۲ء میں ''رادھا کنہیا کا قصہ'' کے عنوان سے رہس ناٹک تحریر کر کے اردو ڈراما نگاری کے اوّلین نقوش مرتب کرنے میں اپنا تاریخی کردار ادا کیا۔ ۱۸۴۳ء میں قیصر باغ لکھنؤ کے احاطہ میں واقع شاہی سٹیج پر پیش کیے جانے والا یہ کھیل طبقۂ خاص کے لیے مخصوص تھا۔

جب کہ فنی اور ادبی اعتبار سے سیّد آغا حسن امانت لکھنوی کے ۱۸۵۴ء میں پیش کیے گئے راگ ناٹک ''اندر سبھا'' کیا اہمیت و خاصیت مسلم ہے۔ عوامی سٹیج کا یہ تاریخ ساز ڈراما صحیح معنوں میں اردو کی ڈرامائی روایت کے باقاعدہ آغاز کا اعزاز پاتا ہے۔اردو ڈرامے کا ارتقائی سفر خاصے طویل عرصے پر محیط ہے۔ روایتی ڈرامے کو جدت کی راہ پر گامزن کرنے میں سیّد امتیاز علی تاج کے تحریر کردہ ڈرامے ''انارکلی'' کا نمایاں کردار ہے۔

اردو ڈرامے کو اپنی قابلِ تحسین تخلیقی قابلیتوں سے پروان چڑھانے والے ڈراما نگاروں میں امانت لکھنوی، آرام، رونق، طالب بنارسی، حافظ محمد عبداللہ، حباب، حسینی میاں ظریف، آغا حشر کاشمیری، حکیم احمد شجاع، ڈاکٹر عابد حسین، عشرت رحمانی، اظہر دہلوی، شاہد احمد دہلوی اور سیّد عابد علی عابد کے نام نمایاں ہیں۔

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

اردو ڈرامے کی ترویج و ترقی میں ریڈیو کا کردار مثالی رہا ہے۔ میرزا ادیب، سیّد امتیاز علی تاج، رفیع پیرزادہ، کرشن چندر، محمود نظامی، شوکت تھانوی، اوپندر ناتھ اشک، جاوید اقبال اور ابو سعید قریشی ریڈیو کے لیے لکھنے والے معروف ڈرامانگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ٹی وی کی آمد نے اردو ڈرامے کو بامِ عروج تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ادبی دنیا سے تعلق رکھنے والے نامور اہلِ قلم نے اس خوب صورت صنفِ ادب کو معیار اور وقار بخشنے کے لیے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے خوب جوہر دکھائے۔ یوں پی ٹی وی کے پلیٹ فارم سے ناظرین کو متنوع موضوعات اور مختصر اور طویل دورانیے پر محیط کئی یادگار ڈرامے دیکھنے کو ملے۔

ٹی وی کے ذریعے اردو ڈرامے کا دامن وسیع کرنے والوں میں شوکت صدیقی، ابصار عبدالعلی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، خواجہ معین الدین، کمال احمد رضوی، منو بھائی، اے حمید، فاطمہ ثریا بجیا، اطہر شاہ خان، انور مقصود، مستنصر حسین تارڑ، ڈاکٹر ڈینس آئزک، امجد اسلام امجد، یونس جاوید، حسینہ معین، نور الہدیٰ شاہ، منشایاد اور عطاء الحق قاسمی کے نام شامل ہیں۔

عہد ساز مزاح نگار، مایہ ناز کالم نویس، سفر نامہ نگار، خاکہ نگار اور شاعر عطاء الحق قاسمی کا شمار اردو کے ممتاز ڈرامانگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے لکھے شاہکار ڈراموں ''خواجہ اینڈ سن'' اور ''شب دیگ'' کو پی ٹی وی کی ڈرامائی تاریخ میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہے۔ جب کہ ان کے دیگر ڈرامے ''اپنے پرائے''، ''علی بابا چالیس چور''، ''آپ کا خادم''، ''حویلی''، ''ہر فن مولا'' اور ''سارے گامے'' بھی حقیقت بیانیوں اور اپنے کرداروں کی شگفتہ کلامیوں کی بدولت اعلیٰ پائے کی یادگار ڈرامائی تخلیقات میں شمار ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام ڈراموں میں قاسمی صاحب نے اپنے منفرد اور دل چسپ طنزیہ و مزاحیہ اسلوب اظہار کے ذریعے زندگی کی تلخیوں، اُلجھنوں اور گہری حقیقتوں کو خوب صورتی سے اُجاگر کیا ہے۔ انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں گھمبیر عصری مسائل کا جس قلمی ہنرمندی اور فنی چابکدستی سے احاطہ کیا ہے یہ انھی کا خاصہ ہے۔

ان ڈراموں میں جو کردار پیش کیے گئے ہیں وہ ہماری تہذیبی و ثقافتی، سماجی و معاشرتی اور سیاسی و معاشی زندگی کے بہترین عکاس ہیں۔ ان کرداروں کی صورت گری سے جہاں قاسمی صاحب نے معاشرے کے مختلف طبقات کے افکار و نظریات، مسائل و معاملات کی حقیقی جھلک دکھائی ہے وہاں پر ان کی شگفتہ مزاجی کی خصوصیت سے ناظرین کے لبوں پر مسکراہٹوں کے پھول بھی کھلائے ہیں۔ قاسمی صاحب کی ڈرامانگاری کے بارے میں معروف ڈرامانگار اصغر ندیم سیّد لکھتے ہیں:

> ''پہلی بار لاہور کے اندرون علاقوں کی تہذیب و ثقافت کے دل چسپ پہلوؤں کو عطاء صاحب نے اپنے باریک مشاہدے، تجربے اور خاندانی پسِ منظر کو استعمال کر کے پیش کیا ہے۔ خاص طور پر ''خواجہ اینڈ سن'' اور ''شب دیگ'' اس کی کامیاب مثالیں ہیں۔ پی ٹی وی پر اس دور میں جاگیرداروں، وڈیروں اور اشرافیہ کے بااثر طبقوں کے کردار چھائے ہوئے تھے اور کامیابی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ کوئی بھی ڈرامانگار عام زندگی کے چھوٹے چھوٹے کرداروں کو ڈرامے کا حصہ بنانے کا رسک نہیں لیتا تھا۔ ایسے میں عطاء صاحب نے اپنے سیریلز میں عوامی زندگی کے

معمولی کرداروں کو وقعت دی اور گلی محلوں اور چھوٹے چھوٹے دفاتر میں کام کرنے والے کلرکوں، سٹینو گرافروں، راہگیروں، دکانداروں، خواجہ فروشوں، سبزی فروشوں کو جیتے جاگتے انداز میں ڈرامے کا حصہ بنایا تو لوگوں کو زندگی کی خوشیاں دیکھ کر بے حد لطف آیا۔"(۲)

قاسمی صاحب اپنے ڈرامائی کرداروں کی تعمیر و تشکیل میں فطری جذبات و احساسات کی روح پھونک کر انھیں معاشرے کے حقیقی نمایندے کے رنگ و روپ میں سامنے لاتے ہیں۔ وہ پاکستانی ڈراموں میں درآمد شدہ مغربی تہذیب و معاشرت اور کرداروں کی پیش کش کو معاشرتی و تہذیبی بگاڑ اور انتشار کی اہم وجہ قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اپنے خیالات و افکار کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ہمارے بیشتر ٹی وی ڈرامے گلیمر کے بل پر چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان میں ماحول اور کردار دونوں پوش علاقوں کے ہوتے ہیں۔ ۰۲، ۰۲ کنال کی کوٹھیاں، سیلون کاریں، منہ ٹیڑھا کر کے بولنے والے الٹرا ماڈرن لڑکے لڑکیاں۔ بے شک یہ لوگ ہمارے ہی ملک میں بستے ہیں لیکن اول تو وہ جس کلچر کی نمایندگی کر رہے ہیں وہ ہمارا کلچر نہیں۔ دوسرے یہ لوگ ایک فیصد سے بھی کم ہیں جو ایسی پر آسائش زندگی گزار رہے ہیں۔ باقی ننانوے فیصد مڈل کلاس کے یا لوئر مڈل کلاس کے لوگ ہیں یعنی غریب۔ ان کے گھر چھوٹے چھوٹے، خوشیاں چھوٹی چھوٹی، معمولی چیزوں کو ترستے ہوئے یہ لوگ پہلے ہی احساسِ محرومی کا شکار اور فرسٹریٹڈ ہیں۔ جب انہیں ۰۲ کنال کی کوٹھیاں، ڈرائنگ روم، وسیع لان، سیلون کاریں دکھائی جاتی ہیں تو ان کی محرومیاں فزوں تر ہو جاتی ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چاہنے لگتے ہیں کہ کسی طرح پیسہ کمائیں اور اس طبقے میں شامل ہو جائیں لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو پھر یہ ذہنی مریض بن جاتے ہیں۔ پیسہ کمانے کے ناجائز ذرائع ڈھونڈتے ہیں۔ قتل کرتے، ڈاکہ ڈالتے اور ناجائز دھندے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ صورتِ حال قابل رشک نہیں۔ انھیں اس سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے ماحول اور ایسے کردار دکھائے جائیں جو انھی کے اردگرد کے ماحول اور لوگوں جیسے ہوں۔ تاکہ ان پہ ایک تو اس نوع کا ڈپریشن طاری نہ ہو، دوسرے یہ کہ بجائے غیر ملکی کلچر دکھانے کے انھیں اپنا کلچر دکھایا جائے۔"(۳)

قاسمی صاحب نے ڈراما نگاری کا آغاز "اپنے پرائے" لکھ کر کیا۔ ایوب خاور کی ہدایات میں بننے والا یہ کھیل ضیائی دور کی آمرانہ پالیسیوں اور پی ٹی وی انتظامیہ کی پسند ناپسند کی بھینٹ چڑھ کر محض دو اقساط تک محدود رہ گیا۔ اس بے جا مداخلت سے کہانی کی فطری بنت اور ڈرامائی عکس بندی کا تسلسل بری طرح متاثر ہوا۔ جس سے نہ صرف ڈراما نگار اور ہدایت کار دل برداشتہ ہوئے بل کہ ناظرین نے بھی اس آمرانہ اقدام پر مایوسی کا اظہار کیا۔ ان تمام عوامل کے باوجود "اپنے پرائے" کا شمار قاسمی صاحب کے بہترین ڈراموں میں ہوتا ہے۔

ان کا تحریر کردہ دوسرا ڈراما "علی بابا چالیس چور" ہے۔ بچوں کے لیے لکھے گئے اس ڈرامے کو بڑوں نے بھی دل چسپی کی نظر سے دیکھ کر سندِ مقبولیت عطا کی۔

''خواجہ اینڈ سن'' ایساڈراما ہے جسے تحریر کر کے قاسمی صاحب نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اپنے وقت کے اس مقبول ترین کھیل کو پی ٹی وی کی ڈرامائی تاریخ میں ایک بے مثال تخلیق کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

۱۹۸۵ء میں پی ٹی وی پر پیش کیے گئے اس ڈرامے میں پنجابی تہذیب و تمدن خصوصاً اندرون لاہور کی زندگی کی منفرد اقدار و روایات کی عکس بندی پیش کی گئی ہے۔ قاسمی صاحب نے دھرتی سے جڑے حقیقی مسائل و معاملات کی عکاسی کرتے ہوئے سنجیدہ بیانی اور شگفتہ کلامی دونوں طرح کے طرزِ بیان کا جادو جگایا ہے۔ انھوں نے ڈرامے کے ہر کردار کی تعمیر و تخلیق میں اس کی مخصوص کرداری خصوصیت کو کمال ہنر مندی سے اُجاگر کیا ہے۔ ڈرامے کا مرکزی کردار خواجہ فیروز اور اس کا بیٹا جواد زندگی سے جڑی مشکلات و مسائل کو حل کرنے میں ایک دوسرے کا مضبوط سہارا بن کر سامنے آتے ہیں۔ خواجہ صاحب اپنی مثبت خیالی اور زیرک نگاہی سے زندگی کی اُلجھنوں کو سلجھاتے ایک ایسے بزرگ کا کردار ہے جو مشکل ترین حالات میں نہ صرف خود مسکرانے کا فن جانتا ہے بل کہ دوسروں کو بھی اپنے شگفتہ جملوں کی وجہ سے مسکراہٹوں کی دولت سے مالامال رکھتا ہے۔

ڈرامے میں جواد کا کردار ایک فرمانبردار بیٹے کا ہے جو ہمہ وقت اپنے باپ کی محبت بھری ڈانٹ سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔ نو بہنوں کا یہ اکلوتا بھائی اپنے باپ کے آرام و سکون اور بہنوں کی خوشیوں کے لیے شب و روز تگ و دو کرتا ہے۔ ''شب دیگ'' کے کرداروں میں جواد سے محبت کرنے والی لڑکی نبیلہ کا کردار بھی خاصا دل چسپ ہے۔ نبیلہ کا جواد سے ملنے پر مخصوص انداز میں سلام کرنا اور پھر محبت بھرے انداز میں ''جواد جی.... جواد جی'' کہنا نیز اس کا گفتگو میں ''ر'' کو خالص اندرون لاہوری لہجے میں ''ڑ'' بولنا، ڈرامے میں سدا بہار مسکراہٹوں کا باعث بنتا ہے۔

''خواجہ اینڈ سن'' میں پروفیسر اللہ دتہ اُداس کے کردار کی پیش کش سے قاسمی صاحب نے افسرانہ زورِ بازو سے اپنے آپ کو عہد کے سب سے بڑے شاعر کے مرتبے پر فائز کرنے کی سعی لاحاصل میں لگے تمام شاعروں کو نوکِ قلم پر لے کر شگفتگی کے رنگ بکھیرے ہیں۔

ڈرامے میں ''لڈن'' کا کردار قاسمی صاحب کی مزاحیہ کردار نگاری کا بے مثال نمونہ ہے۔ جب کہ اس کا تکیہ کلام ''آفٹر آل میں داماد ہوں'' بھرپور شگفتگی کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ان روایتی دامادوں کی منفی سوچ کی عکاسی بھی کرتا ہے جو مجبور و بے بس سسرال والوں کو اپنے داماد ہونے کا احساس دلانے کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ لڈن کا اپنے سسر خواجہ صاحب سے دل چسپ مکالمہ سماجی حقیقت نمائی کی عمدہ مثال بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''لڈن: آپ کے گھر میں میری ویلیو کیا ہے....؟ آفٹر آل میں داماد ہوں۔

خواجہ: یار عجیب قسم کا داماد ہے۔ او بات تو بتاؤ.... کیا بات ہے؟

لڈن: اب میں بولوں گا تو آپ کہیں گے میں لالچی ہوں۔ میں نے کبھی آپ سے کچھ مانگا ہے۔ جی.... لیکن آپ کو کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ جاتے ہوئے میرے بچوں کے ہاتھ پر ہزار دو ہزار رکھ دوں.... کہ بیٹا جاؤ ٹافیاں کھالینا۔

خواجہ: خدا کا خوف کرو یار دو ہزار کی ٹافیاں کھلا کے.... ان معصوموں کا پیٹ پھاڑنا ہے۔

لڈن: ناں.... ابا حضور.... ایک بات بتایئے، شادی کے بعد آپ نے اپنی بیٹی کو کیا دیا؟ میری ماں کے مرنے کے بعد.... آپ نے کون سی رسم پوری کی۔ حالاں کہ آپ کو چاہیے تھا کہ میرے پورے خاندان کو کپڑے سلا کے دیتے، میری بہن کے کانوں میں سونے کے بندے ڈالتے۔

خواجہ: بیٹے.... سونے کے بندے تو میری بیٹیوں کے کانوں میں بھی نہیں یار۔

لڈن: میرے بہنوئی کے سالے کی ممی کی وفات پر آپ میرے گھر آئے؟ نہیں.... لعنت بھیج دیں اس بات پر.... میں کہتا ہوں چھوڑ دیں ان باتوں کو.... آپ صرف یہ بتایئے کہ جب بھی غلطی سے آپ کے گھر جاتا ہوں.... تو آپ کے گھر والے پتہ ہے کیا کرتے ہیں؟ مجھے سٹیل کے گلاس میں پانی پلاتے ہیں۔ کیا مجھ میں آئرن کی کمی ہے۔ کرسی پر نہیں بیٹھنے دیتے.... کہتے ہیں رضائی میں گھس جاؤ، میں چوہا ہوں کیا؟"(۴)

اور "شب دیگ" قاسمی صاحب کا لکھا ایک کلاسیک ڈراما ہے۔ جس میں ہماری تہذیب و اقدار کی خوب صورتی، متوسط طبقے کے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کی ڈرامائی تصویر کشی نہایت عمدہ انداز میں کی گئی ہے۔ اس یادگار ڈرامے میں قاسمی صاحب کی مزاح نگاری کے بے مثال نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اپنی دل چسپ کہانی اور مزاحیہ کرداروں کی وجہ سے مدتیں گزر جانے کے باوجود بھی یہ ڈراما اپنے ناظرین کی یادوں سے محو نہیں ہوا۔ اس کے کبھی نہ بھولنے والے مزاحیہ کرداروں میں "ایم بی باجوہ"، "کاکا منا"، "شبن" اور "انکل کیوں" اپنی طنزیہ و مزاحیہ حرکات و کلمات کے ذریعے مسکراہٹوں کا موجب بننے کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں کی عکاسی بھی کامیابی سے کرتے نظر آتے ہیں۔

"شب دیگ" میں 'ایم بی باجوہ' مرکزی کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس مزاحیہ کردار کو علی اعجاز نے خوب صورتی سے نبھایا، ایم بی باجوہ ایک غریب دیہاتی خاندان سے تعلق رکھنے والا احساسِ کمتری میں مبتلا شخص کا کردار ہے۔ جو بی اے کرنے اور دیہات سے شہر منتقل ہونے کے بعد خود کو محمد بخش باجوہ کی بجائے ایم بی باجوہ کہلوانا پسند کرتا ہے۔ وہ دیسی کھانوں اور مشرقی پہناوے سے نفرت کا اظہار کرتا ہے اور وہ ہمہ وقت غلط سلط انگریزی بولتے اور مغربی لباس زیب تن کیے، مغربی رنگ میں ڈھلنے کی بے سود کوشش میں لگا رہتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اپنی دھرتی پر اجنبی کی مثال اپنی تہذیبی جڑوں اور اپنے پیاروں سے کٹ کر مصنوعی زندگی جی رہا ہوتا ہے۔ ڈرامے کا زیر نظر مکالمہ صورت حال کی خوب عکاسی کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"ایم بی باجوہ: (شبن کو کمرے میں داخل ہونے پر مخاطب کرتا ہے) ہیلو.... ویئر آر یو کمنگ فرام؟ مسٹر ینگ مین....

شبن: (برا مناتے ہوئے) میں ینگ مین نئیں ہیگا۔ میں شبن ہیگا.... شبن۔

باجوہ: اپنا.... مسٹر شبن! یار یہ جانوروں کی طرح تم کیاHeavey Breakfast کرتے ہو.... یہ کیا ملتا ہے تم کو.... یہ دیسی ناشتہ کھا کے۔ یہ لسی پیتے ہو، پراٹھے کھاتے ہو، ساتھ میں سویرے سویرے گوشت بھی کھاتے ہو.... یار پہلے بھی تمھیں بات کہی تھی.... پھر کان کھول کے سن لو.... اگر تم انگریزی نہیں بول سکتے ہو تو نہ بولو۔ یہ اردو میں بات ضرور کیا کرو۔ اوئے اس سے انسان کی پرسنیلٹی بنتی ہے۔

شبن: سوہنیا! اردو سے میرا دوہرا رشتہ ہے۔ تمہاری تو صرف قومی زبان ہے نا.... میری مادری زبان بھی ہے۔ چناں چہ مجھے اس سے عشق ہے۔ عشق.... پر.... میں پنجابی وی سکھنا چاہناں، کیوں کہ اسی ایتھوں دی جم پل ہیگے۔ (میں پنجابی بھی سیکھنا چاہتا ہوں کیوں کہ ہماری پیدائش یہیں کی ہے)

طارق قریشی: (کمرے میں پہلے سے موجود گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے) یار اوہ.... اپنا مولا بخش باجوہ!

ایم بی باجوہ: (ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے) اوہ بھائی.... مائنڈ یو لینگویج.... یہ مولا بخش باجوہ کیا ہوتا ہے؟ کتنی دفعہ کہا ہے کہ ایم بی باجوہ کہا کرو، مسٹر طارق قریشی!

طارق قریشی: (ہنستے ہوئے) سوری.... سوری مسٹر ایم بی باجوہ!

شبن: (لقمہ دیتے ہوئے) اوہو.... ایم بی باجوہ، بی اے....

طارق قریشی: ہاں.... ایم بی باجوہ، بی اے! بات یہ تھی یار.... تم نے غلطی سے بی اے تو کر لیا پر.... اس دھرتی سے اپنا ناشتہ ہی.... میرا مطلب ہے ناطہ ہی توڑ لیا.... یار! تم نے اپنا گاؤں ڈونگا بونگا چھوڑا.... کھیتی باڑی چھوڑی اور اب شہر آ کے بابو بننے کے لیے تم نے ہیڈ کلرکی بھی کر لی۔ کب تک اس انگریزی اور بے چارے آلو کی مٹی پلید کرتے رہو گے؟ او تم کبھی تنگ نہیں آتے اس مصنوعی زندگی سے....؟"(۵)

"شب دیگ" کا کاکا منا اپنے مضحکہ خیز حلیے اور شگفتہ طبعی کی وجہ سے سدا بہار مسکراہٹوں کا باعث بنتا ایک عمدہ مزاحیہ کردار ہے۔ وہ اپنے تکیہ کلام "یہ تو میری میانہ روی ہے" اور "بات ہی کچھ اور ہے" کی بدولت ڈرامے کی دل چسپی اور شگفتگی میں خاطر خواہ اضافے کی وجہ قرار پاتا ہے۔ ڈرامے کا ایک مزاحیہ کردار "انکل کیوں" قاسمی صاحب کے ڈرامائی کرداروں میں مثالی تخلیق کی حیثیت رکھتا ہے۔ حلیے کے اعتبار سے بدحال اور شکستہ شخصیت کا حامل یہ کردار پیش کر کے قاسمی صاحب نے معاشرے کے نظر انداز کیے گئے طبقے کی زبوں حالی کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

"شب دیگ" میں "انکل کیوں" کا کردار معاشرے کے مظلوم طبقے کا نمایندہ کردار ہے۔ جس کی صدائے احتجاج پر کان دھرنے کی بجائے قہقہے لگائے جاتے ہیں، اس پر پتھر برسائے جاتے ہیں۔ بل کہ احتجاجاً گلے میں طوق ڈالے معاشرے سے مجسم سوال ہوئے "انکل کیوں" کو ہر موقع پر جواب کی بجائے، اُلٹا سوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈرامے سے مکالمہ ملاحظہ ہو:

"ایم بی باجوہ: (انکل کیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے) انکل کیوں! یار یہ گلے میں تم نے کیوں طوق ڈالا ہوا ہے.... تم ہی انسان کے بچے بن جاؤ.... ہیں؟ یہ آخر کیا ملتا ہے تم کو.... بچے بھی تم کو اینٹیں مارنے لگ گئے ہیں.... یہ چھوٹا سا لفظ ہے.... کیوں.... اس سے دستبردار کیوں نہیں ہو جاتے تم....؟

انکل کیوں: کیوں میں ہوں دستبردار؟ تو نے آج تک میرے کسی.... کیوں.... کا جواب دیا؟.... ہاں ٹھیک ہے تو میرے "کیوں" کا جواب دے.... میں دستبردار ہو جانا ایں.... اس بچے کی طرف دیکھ رہیا ایں۔

ایم بی باجوہ: فی الحال تو مجھے یہ بچہ اچھا لگتا ہے۔ بڑے ہو کر یہ تیرے اور میرے جیسا نہ ہو گیا تو....

انکل کیوں: (بچے کو پیار کرتے ہوئے) کتنے سونے (خوب صورت) کپڑے پہنے ہوئے ہیں اس نے.... گل (گلے) میں بستہ ڈالا ہوا ہے.... لگ دا سکول تو آیا (لگتا ہے سکول سے آیا ہے) .... اور اس بچے کی طرف دیکھ.... (ایک دوسرے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے).... یہ دونوں بچے پاکستانی ہیں.... اس کے ہتھ (ہاتھ) میں پلاس کیوں ہے؟.... اس کے گل (گلے) میں بستہ کیوں نہیں؟ تو میرے اس کیوں کا جواب.... کیوں نہیں دیندا (دیتا)؟.... میرے اس کیوں کا جواب دے...."(۶)

قاسمی صاحب کی خوب صورت تخلیقی کاوش "حویلی" اپنی عمدہ کہانی اور دل چسپ کرداروں کے حوالے سے یادگار ڈراموں میں شمار ہوتا ہے۔ ڈرامے میں ایک ایسے گھرانے کے حالات و معاملات کی کہانی بیان کی گئی ہے جو مدتوں سے اتحاد کی علامت بنی اپنی آبائی حویلی میں اتفاق سے نہیں رہ پاتے۔ حویلی کا سربراہ چودھری رحمت علی اپنے پانچوں بیٹوں کو اکٹھا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ مگر ناکام رہتا ہے۔

ڈرامے کے مزاحیہ کرداروں میں اسلم پردیسی اور بودی پہلوان نمایاں ہیں۔ اول الذکر کا مشغلہ بری خبری کی تلاش اور دریافت ہے۔ جن کی تشہیر سے موصوف قلبی سکون اور راحت پاتے ہیں۔ جب کہ ثانی الذکر اپنی خیالی جوانی اور نام کی پہلوانی کے قصے سنانا اپنا "مقصدِ حیات" سمجھتے ہیں۔

"ہر فن مولا" قاسمی صاحب کے مقبول مزاحیہ ڈراموں میں شمار ہوتا ہے۔ چھتیس اقساط پر مشتمل اس ڈرامے کو ٹی وی چینل، اے آر وائی ڈیجیٹل پر ۲۰۰۴ء کو نشر کیا گیا۔

اس ڈرامے میں ارشاد اور آزاد دو بھائیوں کی نااہلی اور ناقص کاروباری بصیرت کے احوال کی خوب صورت عکس بندی کی گئی ہے۔ یہ دونوں بھائی اپنے خاندانی آثار و اقدار کا کھلے عام مذاق اُڑاتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد سے وابستہ نشانیوں کو سرِعام نیلامی کی بھینٹ چڑھا کر اندرون شہر سے پوش علاقے میں جا بستے ہیں۔

ڈرامے میں ناشاد اور آزاد کے کردار وافکار کی جھلکیوں میں قاسمی صاحب نے طنز و مزاح کے خوب صورت نمونے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ حقیقت نمائی کے بھی خوب جوہر دکھائے ہیں۔ مکالمہ ملاحظہ ہو:

"ناشاد: شکر ہے، ان پڑھوں کے علاقے سے پڑھے لکھے لوگوں کے علاقے میں آئے ہیں۔

آزاد: بھائی جی! میں تو خود کو زندگی میں پہلی دفعہ پاکستان کا ایک معزز شہری سمجھ رہا ہوں۔

ناشاد: گرمیوں میں رات کو جب میں واپس حویلی میں آتا تھا، لوگ گلیوں میں دھوتی پہن کر بے ہوش سوئے ہوتے تھے۔

آزاد: نالیاں بھی Covered (ڈھکی) نہیں تھیں، ناک پر رومال رکھ کر گزرنا پڑتا تھا۔

ناشاد: گلیاں اتنی تنگ تھیں کہ آمنے سامنے سے آنے والوں میں سے ایک کو دیوار کے ساتھ جپھا مارنا پڑتا تھا۔

آزاد: اور چھوٹے چھوٹے غسل خانے، ہماری حویلی حالاں کہ اتنی بڑی تھی مگر اس کے غسل خانے؟ توبہ استغفرا اللہ!

آزاد: بھائی جی! آپ کو یاد ہے والد صاحب کو غسل باہر "ویہڑے" (صحن) میں ارد گرد چارپائیاں کھڑی کر کے دینا پڑا تھا۔

ناشاد: اور لوگوں کی سیڑھیاں اتنی تنگ تھیں، وہاں جو لوگ کسی مکان کی اوپر کی منزل میں رہتے تھے، وہ میت کو بوکے کی طرح گلی میں اُتارتے تھے۔

سلمٰی: (ناشاد کی بیوی) خدا کا خوف کریں، مبالغے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"(۷)

زیرِ نظر ڈرامے کا ایک اہم کردار "چاچا منہ پھٹ" ہے۔ اس کردار کو علی اعجاز نے ادا کیا۔ "چاچا منہ پھٹ" نشے کے عادی شخص کا کردار ہے جو اپنی بدحالی کا ذمہ معاشرے کی بے حسی کو قرار دیتا ہے۔ وہ معاشرے کے بگاڑ کا موجب بننے والے عناصر کو سرِ عام مجرم قرار دیتا ہے اور نتیجے کے طور پر ان کے ستم کا نشانہ بنتا ہے۔

ڈرامے میں "مولا کھا بہ گیر" کے کردار کی پیش کش سے قاسمی صاحب نے ہمہ وقت پیٹ کا سوچنے والوں کی خبر لی ہے۔ ایسے لوگ جن کے خواب و خیال میں دنیا کے گھمبیر مسائل کی بجائے "مرغن غذاؤں" کی خوشبوؤں کا بسیرا رہتا ہے۔

ڈراما "آپ کا خادم" قاسمی صاحب کی طنز و مزاحیہ ڈرامائی صلاحیتوں کا خوب صورت اظہار تھا۔ یہ ڈراما ۱۹۹۰ء کو پی ٹی وی کے ذریعے ناظرین کی نذر کیا گیا۔ اس ڈرامے میں ملکی سیاست کے بداعمال کرداروں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

ڈرامے کے ایک دل چسپ کردار چودھری عبدالرشید عرف "شیدا ٹلی" کی مقبولیت و خصوصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً تین دہائیوں پر محیط طویل عرصے کے بعد بھی عوامی حلقوں میں بد دیانت اور مکروہ کردار کے حامل سیاست دانوں کو نشانۂ تنقید بناتے وقت انھیں 'شیدا ٹلی' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

"آپ کا خادم" میں قاسمی صاحب نے نام نہاد عوامی رہنماؤں کی مکارانہ سیاسی چالوں کا پردہ کامیابی سے چاک کیا ہے۔

ڈرامے میں "شیدے ٹلی" اور اس کے دوست اور سیاسی مشیر غلام نبی گھمن کے درمیان ہوئے مکالمے میں صورتِ حال کا عکس پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"گھمن: تم اس الیکشن کے دوران خود کو عوام کے ساتھ آئیڈنٹی فائی کرو، عوامی لباس پہنو، عوامی لہجے میں بات کرو اور عوام کے سامنے، اپنے عوامی نام کے ساتھ آؤ۔

چودھری: وہ کیسے؟

گھمن: کل تمہارا پہلا انتخابی جلسہ ہے۔ وہاں ایک جذباتی تقریر کرو کہ میں وڈیروں میں سے نہیں ہوں۔ تم میں سے ہوں چناں چہ آیندہ مجھے چودھری عبدالرشید کوئی نہ کہے، میں چودھری عبدالرشید نہیں، شیدا ٹلی ہوں.... شیدا ٹلی....

چودھری (شیدا ٹلی): (گھبراہٹ کے عالم میں) بکواس نہ کرو یار.... یہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں میری بے عزتی ہے۔ ویسے بھی میری نئی نویلی بیگم مسز نیلم چودھری کا کیا بنے گا۔ اس کی شادی تو چودھری عبدالرشید سے ہوئی ہے۔ شیدے ٹلی سے نہیں۔ (آخر میں گھمن چودھری عبدالرشید عرف شیدے ٹلی کو قائل کر لیتا ہے۔ چودھری آمادگی کے اظہار کے طور پر گھمن سے ہاتھ ملاتا ہے)

چودھری: (شیدا ٹلی) ٹھیک ہے۔ میں آج سے لے کر الیکشن کے دن تک شیدا ٹلی ہوں۔ اس کے بعد جو مجھے شیدا ٹلی کہے گا۔ اس سے نمٹ لوں گا۔ تم سے میں بھی نبڑ (نمٹ) لوں گا۔ (دونوں قہقہہ لگاتے ہوئے معانقہ کرتے ہیں)"(۸)

قاسمی صاحب کے ڈراموں میں "سارے گامے" شگفتہ نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ یہ ڈراما ۲۰۰۹ء میں پی ٹی وی سنٹر لاہور سے نشر ہوا۔ اس میں ہماری سماجی و معاشرتی زندگی سے وابستہ مسائل کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ ڈرامے میں "چھے پہلوان" کا کردار اپنی شگفتہ مزاجی اور زندہ دلی کی بدولت ایک یادگار مزاحیہ تخلیق ہے۔

جب کہ "باباہاسا" ڈرامے کا ایک ایسا کردار ہے، جو روتے اور منہ بسورتے معاشرے میں ہمہ وقت مسکرانے کی خوبی سے مالا مال ہے۔ کسی پر مزاح بات پر شدت سے ہنسنے کا عادی یہ کردار ڈرامے کی دل چسپی میں خاطر خواہ اضافے کا موجب بنتا ہے۔

زیرِ بحث لائے گئے ڈراموں میں ہماری تہذیبی اقدار و ثقافت کے اصل روپ اور خالص جذبات اور محسوسات کے حامل کرداروں کو پیش کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ ڈرامے شگفتہ کاری اور حقیقت بیانی کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں۔ آخر میں قاسمی صاحب کے ڈراموں کے بارے میں ڈاکٹر اشفاق احمد وِرک کی رائے بھی اہمیت کی حامل ہے۔ لکھتے ہیں:

> "موجودہ عہد کے عام مزاحیہ ڈراموں کی طرح یہ ڈرامے مصنوعی قہقہوں اور کرداروں کی مضحکہ خیز حرکات کی بنیاد پر مزاحیہ نہیں ہیں بل کہ انہوں نے مزاح کے ساتھ ساتھ ہمیشہ معاشرے کی کسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا ہے اور اس سے لطافت کے ایسے پہلو اُبھارے ہیں جو یقیناً پتھروں میں پھول کھلانے کے مترادف ہے۔ وہ ان ڈراموں میں بہت بڑے معاشرے طنز کے روپ میں بھی سامنے آئے ہیں۔"(۹)

حوالہ جات:

۱- سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور: ۱۹۹۳ء، ص ۳۷۵

۲- اصغر ندیم، سیّد، عطاء الحق قاسمی کی ڈرامانگاری، (مضمون) مشمولہ خصوصی مجلہ، سولہواں عالمی فروغِ ادب ایوارڈ ۲۰۱۲ء زیر اہتمام مجلس فروغ اُردو ادب، دوحہ قطر، صفحہ ۶۳

۳- ازہر منیر، یہ نصف صدی کا قصہ ہے، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۳

۴- عطاء الحق قاسمی، خواجہ اینڈ سن، مملوکہ سکرپٹ پی ٹی وی، لاہور مرکز، ۱۹۸۸ء

۵- عطاء الحق قاسمی، شب دیگ (ترتیب و تدوین) ڈاکٹر عائشہ عظیم، الخیال پبلشر، اردو بازار لاہور، فروری ۲۰۱۹ء، ص ۲۳، ۲۴

۶- ایضاً، ص ۹۹، ۱۰۰

۷- عطاء الحق قاسمی، ہر فن مولا، (تدوین و تسوید)، ڈاکٹر ثوبیہ نسیم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۲۲۵، ۲۲۶

۸- عطاء الحق قاسمی، آپ کا خادم، ڈراما مشمولہ "بازیچۂ اعمال"، عباس تابش (مرتب) الحمد، لاہور، ۱۹۹۴ء، ۳۲۶-۳۲۷

۹- اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، عطاء الحق قاسمی، شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد، ۲۰۱۰، ص ۱۵۲

☆☆☆☆☆